تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انٹرنیٹ گزٹ

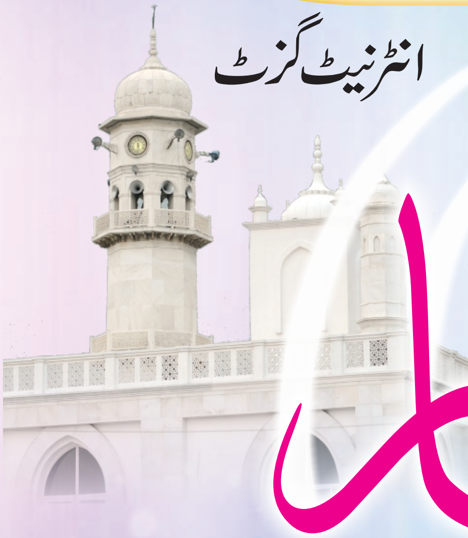

المنار

جلد نمبر: 4
اکتوبر۔نومبر
2014
شمارہ: 10-11

نائب ایڈیٹر: آصف علی پرویز
ایڈیٹر: مقصود الحق
مینیجر: سید نصیر احمد

دوستو تم کو مبارک ہو کہ نکلا المنار
اک مقدّس درسگاہ کی خوبصورت یادگار
غرب سے اُبھرا ہے لیکر دعوتِ علم و عمل
پُھولتا پھلتا رہے دائم بفضلِ کردگار

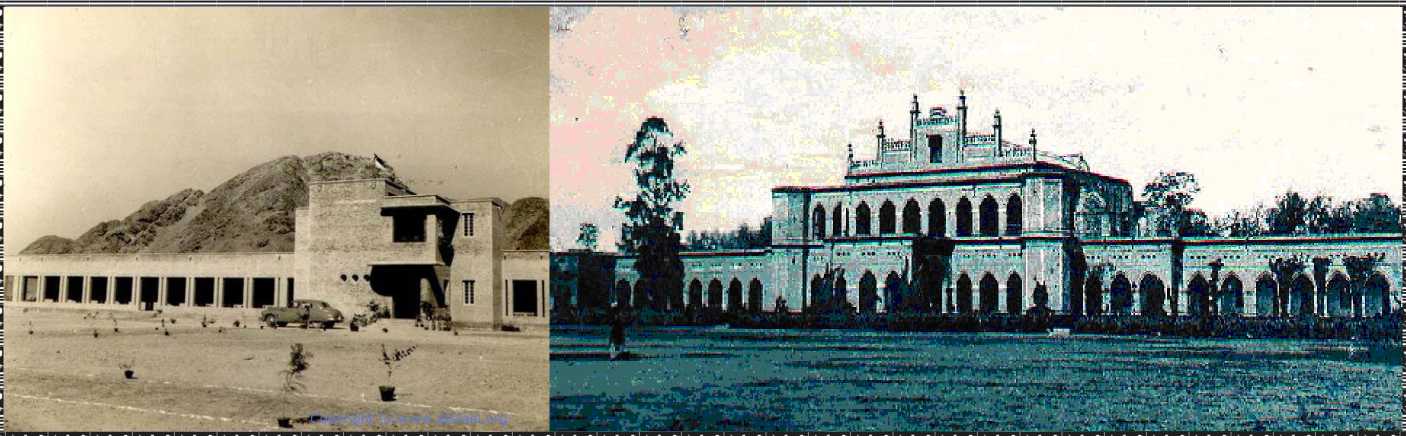

Taleem-Ul-Islam College Old Students Association - U.K

53, Melrose Road,
London, SW18 1LX.
Ph. : 020 8877 5510
Fax: 020 8877 9987
e-mail:
ticassociation@gmail.com

المنار ہر ماہ باقاعدگی سے جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam.org پر upload کر دیا جاتا ہے۔ آپ گزشتہ شمارے دیکھنا چاہیں تو Periodicals کے حصّہ میں جا کر ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ المنار کو ہمیشہ آپ کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔ (ادارہ)

قال اللہ تعالیٰ

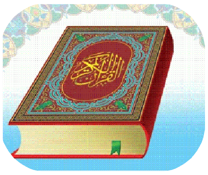

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝۲۰۸

اور بعض آدمی ایسے (بھی) ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو بیچ (ہی) ڈالتے ہیں۔اور اللہ اپنے ایسے مخلص) بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔ (البقرہ:208)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے سارے کام برکت ہی برکت ہوتے ہیں۔ یہ فضل صرف مومن کیلئے ہی مختص ہے۔اگر اس کو کوئی خوشی و مسرت اور فراخی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے اور اس کی شکرگزاری اس کیلئے مزید خیر وبرکت کا موجب بنتی ہے۔اور اگر اس کو کوئی دُکھ رنج تنگی اور نقصان پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے۔اس کا یہ طرزِ عمل بھی اس کیلئے خیر و برکت کا ہی باعث بن جاتا ہے کیونکہ وہ صبر کر کے ثواب حاصل کرتا ہے۔‘‘

(مسلم کتاب الذھد باب المومن امرہ کلہ خیر)

کلام الامام

’’یعنی انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے......خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا میں جان دیتا ہے۔اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعتِ خالق اور خدمتِ خلق کے لئے بنائی گئی ہے......‘‘ (رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ 132-131)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوگی جو کہ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور کہے کہ میں یقیناً کامل فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ پس یہ کامل فرمانبرداری جس کی ہر احمدی سے توقع کی جاتی ہے اس وقت ہوگی جب نیک، صالح عمل ہو رہے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی ہو رہی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق بھی ادا ہو رہے ہوں گے اور پھر ایسے لوگ جب دعوت الی اللہ کرتے ہیں تو ان کی سچائی کی وجہ سے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان نیک کاموں کی وجہ سے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے بھی منظورِ نظر ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی مدد بھی فرماتا ہے۔

(خطبہ جمعہ 16 جون 2006ء از مشعل راہ جلد پنجم حصہ چہارم)

کر نہ کر....

علم و عمل

- ☆ تو عمر بھر طالب علم بنا رہ۔
- ☆ تو علم کو عمل کرنے کیلئے سیکھ یا دوسروں کو سکھانے کیلئے۔
- ☆ تو اپنی اولاد کو اپنے سے زیادہ علم پڑھانے کی کوشش کر۔
- ☆ تو کسی نہ کسی علم یا فن میں کمال حاصل کر۔
- ☆ تو یاد رکھ کہ علم عمل سے زندہ رہتا ہے نہ کہ محض حافظے سے۔
- ☆ تو حسب توفیق عمدہ کتابیں خریدتا رہ۔
- ☆ تو علم کو دانائی اور روشنیٔ طبع کا ذریعہ سمجھ نہ کہ صرف معاش کا۔
- ☆ تو روزانہ کچھ وقت اپنے علمی مطالعہ کیلئے ضرور نکال۔
- ☆ تو کج بحثی سے پرہیز کر۔
- ☆ جس بات کا تو خود تجربہ نہ کرلے اسے بطور حجّت پیش نہ کر۔
- ☆ تو حصول علم کیلئے سفر بھی اختیار کر۔

(بحوالہ کتاب ’’کر، نہ کر‘‘ از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ)

تعلیم کیلئے انگلستان کا سفر

میرے والد صاحب نے اپنے خط میں مجھے ارشاد فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں گزارش کرو کہ میرے والد صاحب کی خواہش ہے کہ اگر حضور اجازت فرمائیں تو مجھے مزید تعلیم کیلئے انگلستان بھیج دیں،اس لئے حضور کی خدمت میں اجازت کی اور دعا کی درخواست ہے۔میں نے یہ عرضداشت لکھ کر حضور کی خدمت میں پیش کردی۔آپؓ نے مزید تعلیم کیلئے انگلستان جانے کے متعلق فرمایا آپ بھی اور آپ کے والد صاحب بھی استخارہ کریں،پھر اگر اطمینان ہو تو اجازت ہے۔انہی ایّام میں سیالکوٹ کے دو اور طلبا نے بھی حضورؓ سے انگلستان جانے کی اجازت چاہی لیکن حضور نے پسند نہ فرمایا۔میں نے قادیان ہی میں استخارہ شروع کردیا،دوسری یا تیسری رات کو ابھی سویا ہی تھا کہ ایسے محسوس ہوا کہ کوئی شخص میری چارپائی کے پاس کھڑا ہے اور مجھے مخاطب کرکے اس نے کوئی بات کہی ہے،جس کا پہلا حصہ تو میں سُن نہیں سکا،لیکن آخری لفظ جو سنے وہ یہ تھے ’’تو پھر انگلستان جاؤ‘‘ اس سے مجھے تو اطمینان ہوگیا کہ بفضل اللہ میرا انگلستان جانا فائدہ مند ہوگا۔اس بات میں میری اپنی خواہش کا کوئی دخل نہیں تھا کیونکہ مجھے انگلستان جانے کا کوئی شوق نہ تھا،بلکہ میں والدہ محترمہ کی پریشانی کا خیال کرکے انگلستان جانے سے کچھ گھبراتا تھا۔ایک بالکل نئے ماحول اور نئی معاشرت کے خیال سے بھی پریشانی ہوتی تھی۔

سفر انگلستان پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جو ہدایات خاکسار کو دیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ کہا جاتا ہے کہ انگلستان چونکہ ایک سرد ملک ہے اس لئے وہاں سردی کے دفاع کیلئے شراب کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ہم طبیب ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔اگر تمہیں سردی کی مدافعت کی ضرورت محسوس ہو تو ’’کوکو‘‘ استعمال کریں۔اسمیں خوراکیت بھی ہے اور سردی کے اثر کو بھی زائل کرتی ہے۔ہمیں خط لکھتے رہنا۔ہم تمہارے لئے دعا کریں گے۔

(حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خودنوشت ’’تحدیثِ نعمت‘‘ سے ماخوذ)

یادوں کے دریچے

ایک دفعہ کالج میں ایک پروفیسر صاحب نے ایک غلط فہمی کی بنا پر میرے خلاف ایک طالب علم کو کچھ باتیں کہیں۔ میں نے سٹاف روم میں انہیں کچھ سخت سست کہا اس پر انہوں نے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے پاس میری شکایت کی۔ وہ صاحب ابھی پرنسپل کے کمرے میں ہی تھے کہ میں بھی وہاں کسی کام سے پہنچ گیا۔ تو مجھے دیکھ کر حضور نے فرمایا شاہد صاحب یہ ایسے ہی آپ کی شکایت کر رہے ہیں بھلا آپ انکو سخت سست کیوں کہیں گے؟ میں کچھ شرمندہ ہوا، حضور کا انداز نصیحت نہایت پیار بھرا ہوا کرتا تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ حضور نے اپنے زمانہ پرنسپل کے دوران کسی استاد کو کوئی سخت کلمہ کہا ہو۔

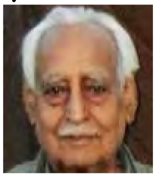

(ڈاکٹر سلطان محمود شاہد صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج)

☆☆

بہت جلد حضور کی تین خوبیاں کھل کر مجھ پر نمایاں ہوگئیں۔ پہلی خوبی حضور کی یہ تھی کہ بڑے سے بڑے حادثے کا روشن پہلو تلاش کر لیتے۔ دوسری خوبی یہ تھی کہ حضور کی طبیعت میں نہایت لطیف مزاح فراواں تھا۔ بے تکلف دوستوں میں حضور اکثر باتوں کو لطائف کا رنگ دے لیتے۔ کشادہ اور خندہ پیشانی، ہونٹوں پہ مسکراہٹ، آنکھوں میں غیر معمولی اور پرکشش چمک جادو کا اثر کرتی، جس کسی سے حضور مخاطب ہوتے وہ مسحور ہو جاتا۔ تیسری خوبی یہ تھی کہ حضور کسی کی غیبت کبھی نہ فرماتے کسی دوست یا عزیز میں کوئی کمزوری دیکھ پاتے تو اسے ایک لطیف انداز سے اس طرح بیان کرتے کہ وہ دوست خود بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکتا اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح بھی کر لیتا۔

(ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب)

☆☆

1947 میں ملک کی تقسیم کے بعد تعلیم الاسلام کالج قادیان سے لاہور منتقل ہو گیا۔ پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد کی قیادت میں کالج نے لاہور کے تمام کالجوں میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ 1954 میں حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر کالج ربوہ منتقل ہوا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ڈیڑھ لاکھ کی رقم سے آپ نے تعمیر کا کام شروع کروایا۔ آپ کی صاحبزادی امتہ الحلیم صاحبہ اس دور میں آپ کی مشقت کی داستان ان الفاظ میں سناتی ہیں:

شدید گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں خود کھڑے ہو کر بشاشت، دعاؤں اور بہت پیار سے ایک ایک اینٹ چنوائی اور ساتھ ہی سبزے کو مدنظر رکھتے ہوئے پودے اور درخت لگانے شروع کئے۔ آپ کی یہ لگن اور محنت صرف کالج کی عمارت کی تعمیر کے لئے نہیں تھی بلکہ ان پودوں کے لئے بھی تھی جنہوں نے اس عمارت سے سایہ دار درخت بن کر نکلنا تھا یہ سب کچھ انہیں ایک صحت مند ماحول فراہم کرنے کے لئے تھا۔

☆☆

لاہور میں جن دنوں حضور پرنسپل تھے میں کالج میں داخل ہوا۔ کالجز میں سالِ اول کے طلباء کو بیوقوف بنانے اور ان کا الو کھینچنے کا رواج عام تھا۔ حضور نے داخلہ کے بعد پہلے ہی دن ہال میں سب طلباء کو جمع کر کے خطاب فرمایا۔ دیگر باتوں کے علاوہ فرمایا ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ ہم اس کالج میں بیوقوفوں کو داخلہ نہیں دیتے، لہٰذا کسی کو بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کریں۔ جو گندی رسمیں انگریز ہمارے اداروں میں چھوڑ گئے ہیں ان کی اپنی درسگاہوں میں ان کا نام و نشان تک نہیں۔

(روایت مجیب الرحمن صاحب ایڈووکیٹ، از ماہنامہ مصباح جون، جولائی 2008، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نمبر)

☆☆

پریشانی کا علاج

مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب وہ اپنی کوئی پریشانی لے کر حضور کے پاس جاتے تو حضور فرماتے کہ دیکھو جب مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو میں دین کے کام میں پوری طرح لگ جاتا ہوں۔ اس لئے میری تمہیں یہی نصیحت ہے کہ جب کوئی پریشانی ہو تو فوراً دین کے کام میں لگ جایا کرو! اللہ تعالیٰ خود ہی پریشانی دور کر دے گا۔

(مصباح جون، جولائی 2008)

☆☆

میرے والد صاحب تعلیم الاسلام کالج کے طالب علم تھے۔ ان کا نام خادم حسین اسدؔ تھا۔ ٹی آئی کالج روئنگ کلب کے ممبر تھے۔ جب روئنگ کے مقابلہ جات ہوتے تو حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔

1953 کی بات ہے کہ میرے والد صاحب حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے ساتھ کار میں رتن باغ کی طرف جا رہے تھے کہ دیکھا آگے سے ختم نبوت والوں کا جلوس آ رہا ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمایا کہ جلوس میں سے گزرنا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟ میرے والد صاحب نے فرمایا بے شک گزریں، آج دیکھا جائے گا۔ خیر جلوس کے درمیان سے بخیر و عافیت سے گزر گئے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے والد صاحب کے حوصلے کی داد دی اور کہنے لگے تم تو واقعی اَسد (شیر) ہو۔

والد صاحب کبڈی کے بھی کھلاڑی تھے۔ انہیں شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ گریجویشن کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے انہیں ناصر آباد فارم کا مینیجر مقرر فرمایا۔

(ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لنڈن)

☆☆☆

ہمارا آئی ڈی کارڈ.... قسط:13

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ پڑھائی میں طلبہ کی دلچسپی قائم رکھنے اور علمی استعداد چیک کرنے کیلئے نو ماہی اور سالانہ امتحانات کے علاوہ اپنے اپنے مضامین میں ویکلی اور منتھلی کلاس ٹیسٹ لیتے رہتے تھے۔ اسلئے طلباء کیلئے امتحان کوئی ایسا گھبرانے کا مسئلہ کبھی نہیں رہا تھا۔ 1993 میں پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد مجھے کالج کے کنٹرولر امتحانات کی ذمہ داری سونپی گئی۔ کالج کے سالانہ امتحانات ختم ہو چکے تھے، نیو کیمپس میں ایم ایس سی فزکس کے امتحانات شروع ہوئے۔ ڈاکٹر نصیر خان صاحب ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے اور ان کا امتحان لینے کا نظام ڈیپارٹمنٹل تھا۔ ایک دن 10 بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب کا کارندہ میرے لئے ایک سِیلڈ لفافہ لیکر آیا۔ کھولا تو اس میں اُس دن کے فزکس کے پرچے کا stencil تھا اور میرے لئے پیغام تھا کہ بیس پرچے چھاپ دیں اور تاکید تھی اُس وقت تک کالج سے نہ جائیں جب تک میرا پیغام نہ آ جائے۔ مجھے پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ ایم ایس سی کے طلباء کچھ اساتذہ کے اکسانے پر امتحان لئے بغیر داخلہ بھجوانے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور انکا کنٹرولر امتحانات ڈاکٹر نصیر خان صاحب سے تعاون نہیں کر رہا تھا۔ جب پرچہ شروع ہوا، طلباء نے پرچے پھاڑ دیئے اور اپنے حق میں نعرہ بازی کی، لیکن ڈاکٹر صاحب امتحان لینے پر ڈٹے رہے۔ میں نے پرچے چھاپ کر بھجوا دیئے، گھنٹے کے بعد پھر کارندہ آیا، میں نے دوبارہ پرچے چھاپ کر بھجوا دئے، گھنٹے بعد کارندہ خان صاحب کا شکریے کا پیغام لیکر آیا۔ قانون قانون ہے۔ یہ تھی تعلیم الاسلام کالج کی روایت، جسے ڈاکٹر نصیر خان صاحب نے جھکے بغیر قائم رکھا۔

کالج کے قومیائے جانے کے بعد احساس ذمہ داری سے عاری اور بے حس قسم کے لیکچررز کالج کے مختلف شعبوں میں در آئے۔ پڑھانے سے انہیں دلچسپی نہ تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کا ایجنڈا ٹی آئی کالج کی روایات کو توڑنا، اور طلباء کو بدراہ کر کے کالج میں بدنظمی پیدا کرنا ہے۔ ایک صاحب کا مضمون تو فزکس تھا، مگر ہر روز کلاس میں آتے ہی احمدیت پر اعتراض شروع کر دیتے۔ طلباء کی شکایت پر جب اس سلسلے میں پرنسپل کو ملا گیا، کہنے لگے میں کچھ نہیں کرسکتا، اسے اوپر سے ہدایات ہی ایسی ہیں۔

کجا یہ حالت، کجا یادش بخیر حضرت مرزا ناصر احمدؒ کی پرنسپل شپ کا زمانہ۔ میاں صاحب کو رپورٹ ملی بورڈ کے سالانہ امتحانات کے دوران سپرنٹنڈنٹ پوری طرح نگرانی نہیں کر رہا، کھلی نقل چل رہی ہے۔ میاں صاحب نے اصلاحِ احوال کے لئے فوری پیغام بھجوایا ''ایمانداری سے امتحان کنڈکٹ کریں، ورنہ میں بورڈ میں فون کرنے لگا ہوں۔''

تخریب کاروں نے کالج کی قائم شدہ روایات کو جتنا ممکن ہوا، ہر طرح سے تاراج کرنے کی کوشش کی۔ سائنس کے طلباء پروفیشنل کالجوں میں داخلے کے لئے محنت سے تھیوری اور پریکٹیکل کی تیاری کرتے ہیں، داخلے میں ایک ایک نمبر کاؤنٹ کرتا ہے۔ بھلے وقتوں میں پریکٹیکل کے ممتحن امتحان کے بعد متعلقہ پروفیسر سے قابل طلباء کے رول نمبر لیکر انہیں ممکن حد تک جائز زیادہ نمبر دیتے تھے۔ اب حال یہ ہوا کہ بے ضمیر ممتحن تعلیم الاسلام کالج میں ڈیوٹی لگواتے ہی اس نظر سے تھے، کہ احمدی طلباء کو نقصان پہنچائیں۔ لیکچرر ممتحن کے ساتھ براجمان ہو جاتا، جب viva کیلئے طالبعلم آتا تو اشاروں میں ''ہمارا ہے، ہمارا نہیں'' کہہ کر رول نمبر لسٹ پر نقصان پہنچانے کیلئے نشان لگوا دیتا۔

ہمارے اکثر طلباء امتحان کے دوران بیرونی مدد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ پریکٹیکل کا امتحان ہو رہا تھا، ممتحن نے مجھے بلایا، ایک لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: ''خان صاحب، میں نے چیک کیا ہے اس کا باقی پرچہ بہترین ہے لیکن یہ step غلط ہے، اسے کہیں یوں ٹھیک کر لے۔'' جب میں نے ممتحن کا دل رکھنے کیلئے طالب علم کو پیغام دیا تو اسنے اسی وقت وہ سوال کاٹ کر اسکی جگہ دوسرا سوال حل کر دیا اور اللہ کے فضل سے اسے میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔

میں کئی طلباء کو جانتا ہوں جنہوں نے کبھی مجھ سے ممتحن سے سفارش کرنے کی خواہش نہیں کی تھی، اور آج اپنی محنت سے کامیاب ڈاکٹر اور انجینیئر ہیں اور خدمتِ خلق کر رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے پرچہ شروع ہونے سے ختم ہونے تک انکی نظریں پرچے پر جمی رہتی تھیں اور قلم مسلسل رواں دواں! اور یہی طلباء آج ہمارا آئی ڈی کارڈ ہیں اور ہماری لاج بھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں برکتوں سے نوازے۔ (محمد شریف خان، فلاڈلفیا، امریکہ)

آڑو کے فائدے

نیویارک کے طبی ماہرین کے مطابق آڑو ایک نہایت صحت بخش پھل ہے۔ اور اس کا استعمال دل کے دورے کو کم کر دیتا ہے۔ اس کے استعمال سے خون میں چکنائی کی سطح کم جبکہ مدافعاتی نظام محفوظ ہوتا ہے اور آڑو فولاد سے بھرپور ہونے کے باعث جسم میں خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔

(نوائے وقت 11 اپریل 2014ء)

پودینے کا تیل مختلف امراض میں سودمند

امریکی ماہرین نے کہا ہے کہ پودینے کا تیل مختلف دردوں سے نجات، قبض اور ڈائریا، نظامِ ہضم کے لئے مفید ہے۔ یہ جسم میں آنتوں اور دیگر عضلات کو آرام پہنچاتا ہے۔ قبض میں پودینے کا قہوہ یا پانی بھی فائدہ مند ہے۔ پودینے کا تیل مختلف جلدی امراض مثلاً کیڑے کے کاٹنے سے ہونے والی الرجی، ایگزیما، اور چہرے پر سوزش، اور سُرخ دانوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ منہ کے چھالے ختم کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس ۱۳ مارچ ۲۰۱۴ء)

کمپیوٹر اور ٹی وی کا زیادہ استعمال نقصان دہ

نوجوانوں کا زیادہ دیر تک کمپیوٹر یا ٹی وی کے آگے بیٹھنا ان کی ہڈیوں کو کمزور بنا سکتا ہے۔ یہ بات یونیورسٹی آف ناروے کی ایک تحقیق میں سامنے آئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ بچپن سے 19 سال تک کی عمر تک بچوں کی ہڈیاں بڑھ رہی ہوتی ہیں لیکن اگر اس عمر کے دوران وہ زیادہ دیر تک کمپیوٹر یا ٹی وی کے سامنے بیٹھنے کی عادت بنا لیں۔ تو یہ چیز ہڈیوں میں فریکچر یا سختی کا باعث بن سکتی ہے۔

ایک شام

محترم خواجہ عبدالمومن صاحب ایک ہفتے کے لئے لندن آئے ہوئے تھے۔صدر صاحب تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ نے فرمایا کیوں نہ ان کی موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ ایک شام منائیں۔چنانچہ خاکسار نے اُن سے وقت لیا۔26 اکتوبر کے روز سرائے انصار میں ممبران ایسوسی ایشن کو دعوت دی گئی۔محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب،محترم ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب،مکرم میاں فہیم الدین صاحب اور ممبران مجلس عاملہ تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کافی تعداد میں تشریف لائے۔

محترم خواجہ عبدالمومن صاحب کا نام ربوہ کے رہنے والوں کے لئے نیا نہیں۔ربوہ میں خدمت دین کے ساتھ ساتھ آپ کے کاروبار نے بھی خوب ترقی کی ۔ آپ نے زعیم محلہ،ناظم اطفال،ناظم عمومی،قائد ضلع لاڑکانہ اور مہتمم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔1986ء میں ناروے آگئے، جہاں آج کل بطور نیشنل سیکریٹری وصایا خدمت بجالا رہے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی سخن پرور شفقتوں سے آپ کی شاعری کے جذبات پروان چڑھے۔جرمنی میں آپ کے ایک بھائی مکرم عبدالجلیل عباد صاحب بھی بہت اچھے شعر کہتے ہیں۔ان کے علاوہ آپ کے ایک چھوٹے بھائی مکرم خواجہ عبدالباسط صاحب (حال ڈنمارک) ربوہ میں کبڈی کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کوئی بڑا شاعر نہیں ہوں۔مختلف مواقع پر شعر کہتا رہا۔ان اشعار کو اکٹھا کرنے کی ترغیب مکرم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب نے دی اور ابتدائیہ بھی مکرم امام صاحب نے ہی تحریر کیا۔اب تک دو مجموعہ ہائے کلام ''جذباتِ مومن'' اور ''سب کچھ تیری عطا ہے'' شائع ہو چکے ہیں۔

جب ربوہ میں مجلس صحت قائم ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ارشاد فرمایا کہ ربوہ میں اور سارے ملک میں کبڈی کی ٹیمیں از سرِ نو تشکیل دیں۔حضورؒ نے فرمایا تھا کہ میری خواہش ہے کہ نوجوانوں کی صحت اچھی ہو۔چنانچہ ہر کھیل کی نیشنل ٹیمیں تیار کی گئیں۔جب آل پاکستان کبڈی ٹورنامنٹ کا انعقاد ہونے لگا تو حضور نے ازراہِ شفقت خاکسار کو اس کا صدر مقرر فرمایا۔میں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا تو فرمایا کہ گھبرانا نہیں اللہ تعالیٰ اپنے کمزور بندوں سے بھی کام لے لیتا ہے۔آل پاکستان کبڈی ٹورنامنٹ کا انعقاد ہوا تو فرمایا کہ فائنل میچ جمعہ سے

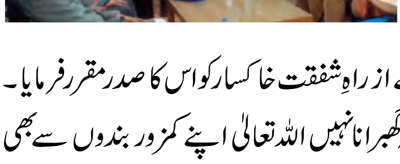

پہلے رکھیں، حالانکہ روایتی طور پر فائنل مقابلہ بعد عصر ہی ہوا کرتا تھا۔چنانچہ ہم نے فائنل سیشن کا انتظام مکمل کرلیا۔اُس وقت بادل چھائے ہوئے تھے،فائنل میچ ہوا۔حضورؒ نے انعامات وغیرہ تقسیم کئے اور جوں ہی حضورؒ گاڑی میں بیٹھے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل ہوگیا۔تب ہم پر کھلا کہ صبح کے وقت فائنل کروانے میں کیا حکمت پنہاں تھی۔اگر یہ پروگرام شام کو ہوتا تو پریشانی ہوتی۔

اس کے بعد صدر ایسوسی ایشن مکرم مبارک صدیقی صاحب نے مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب کو اپنا کلام سنانے کی درخواست کی۔ان کے کلام سے منتخب اشعار قارئین المنار کی خدمت میں پیش ہیں۔

دیکھے ہیں حسیں ہم نے زمانے میں ہزاروں
پر حسن ترا سارے حسینوں سے سوا ہے
کیا نور ہے جو تجھ کو ملا ماہِ مبیں سے
کیا رنگ ہے جو سارے زمانے سے جدا ہے

☆☆

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے محترم مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم کے بارہ میں بھی ایک نظم کہی تھی جو سنانا چاہتا ہوں۔اُن کا احسان ہے کہ انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور میں آج اس قابل ہوا ہوں۔

یاد آئے ہیں مجھے اک خادمِ دینِ ہُدیٰ
سلسلے کے اک مجاہد، عاشقِ خیرالوریٰ
حضرتِ فضلِ عمرؓ سے پایا خالد کا خطاب
دشمنانِ دین کو دیتے رہے مسکت جواب
وہ امامِ وقت کے خادم رہے اور جاں نثار
تھے مقرر اور مناظر اور مبلغ کامگار

☆☆

آخر پر مکرم صدر صاحب تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ نے سب حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔دعا کے ساتھ یہ مجلس برخاست ہوئی۔جس کے بعد چائے پیش کی گئی۔شاملین کی تعداد 30 تھی۔

(رانا عبدالرزاق خاں سیکریٹری مجلس علم وعمل تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ)

جستہ جستہ

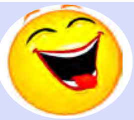

مزاح کی میزان کا جھکاؤ واقعی ایک ہلکی پھلکی خوشی، ایک خوشگوار احساس اور شستہ قسم کی بے تکلفی کی طرف ہے یا طنز اور ان کی کربناکیوں کی جانب؟ کیا اس کے پیچھے وہی جذبہ کارفرما ہے جو الفاظ ظاہر کر رہے ہیں یا کسی خاص وقت کی خاص لطافتوں سے کشید کردہ چاشنی کا ذائقہ ہے، جو ہمیں کچھ دیر کے لئے کسی طرح کی تلخیوں سے دور لے جاتا ہے؟

انٹرنیٹ کے کمالات

کل رات انٹرنیٹ نہیں چل رہا تھا تو میں گھر والوں کے پاس جا بیٹھا۔ یار! وہ بھی اچھے لوگ ہیں۔

☆☆

جس شخص کو سنائی نہ دے اسے انگلش میں کیا کہیں گے؟

یار! جو مرضی کہہ دو، اسے کونسا سنائی دے گا

☆☆

ڈاکٹر پرچی پر ایسا کیا لکھتے ہیں جو صرف میڈیکل سٹور والے ہی سمجھ پاتے ہیں؟

یار! وہ لکھتے ہیں: "میں نے لوٹ لیا تو بھی لوٹ لے!"

☆☆

عورت کو روزانہ کپڑوں کی الماری کھولنے پر دو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

(1) کپڑے رکھنے کے لئے جگہ نہیں ہے۔

(2) پہننے کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے۔

☆☆

بیوی: آپ کی سالگرہ کے لئے اتنا قیمتی سوٹ خریدا ہے کہ بس!

خاوند: بہت بہت شکریہ! مگر ذرا دکھاؤ تو سہی!

بیوی: ذرا ٹھہرو! ابھی پہن کر آتی ہوں۔

☆☆

جج: تم نے 7 سال تک ڈرا دھمکا کر اپنی بیوی کو کنٹرول میں رکھا؟

ملزم: (صفائی پیش کرتے ہوئے) جناب! دراصل ......

جج: (ملزم کو رازداری سے قریب بلاتے ہوئے) صفائی مت پیش کر، جلدی سے طریقہ بتا!

☆☆

پاکستان کی بجلی

جب سے اس بے وفا بجلی نے آنکھ پھیری ہے
دن بھی سُونا سُونا ہے رات بھی اندھیری ہے
اے بجلی! تو ہم سے یوں منہ چھپائے بیٹھی ہے
جیسے عدت میں کوئی بیوہ گھونگھٹ گرائے بیٹھی ہے

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے 5 روز
گزرے ابھی تھے 4 کہ 32 چلی گئی

شاعر

ویسے تو زندگی میں کچھ بھی نہ پایا اس نے
جب دفن ہو گیا تو شاعر کے بھاگ جاگے
وہ سادگی میں ان کو دو سامعین سمجھا
بس آٹھویں غزل پر منکر نکیر بھاگے

ابتدائی سائنس

مادے کی تین قسمیں ہیں: (1) ٹھوس (2) مائع (3) گیس

ٹھوس

ٹھوس کا مطلب ہے ٹھوس۔ جیسے ٹھوس دلائل، ٹھوس اقدامات، ٹھوس نتائج وغیرہ۔ ٹھوس دلائل ایسے دعووں کے لئے لائے جاتے ہیں جو خود کمزور ہوں۔ سب سے ٹھوس دلیل لاٹھی ہی ثابت ہوئی ہے۔ بھینسوں کے لئے بھی اور انسانوں کے لئے بھی (لہٰذا جس کی لاٹھی ٹھوس ہو بھینس اسی کی ہوتی ہے)۔ (ہمارے ملک میں) اقدامات اتنے ٹھوس ہوتے ہیں کہ کبھی نہیں کئے جاتے، صرف بیانات کو ٹھوس بنانے کا کام دیتے ہیں۔

ٹھوس اشیاء اپنی شکل نہیں بدلتیں، ہاں دوسروں کی بدل دیتی ہیں۔ پتھر ٹھوس ہے، جیسا ہے ویسا ہی رہتا ہے، لیکن کسی آدمی کے لگے تو وہ کیسا ہی ٹھوس ہو، اس میں سے مائع گیس وغیرہ نکلنے لگتے ہیں۔ مائع جیسے آنسو، گیس جیسے آہیں اور گالیاں وغیرہ۔

مائع

مائع کا مطلب آپ جانتے ہی ہیں، لہٰذا تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ پانی بھی مائع ہے اور دودھ بھی۔ اسی لئے مشہور ہے کہ 'مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ' بعض اوقات مائع کو مائع میں ملانے کا نتیجہ بڑا ٹھوس نکلتا ہے۔ چنانچہ بعض گوالوں نے اسی فارمولے پر عمل کر کے بڑے بڑے مکان کھڑے کر لئے ہیں۔ یہ قول بھی دودھ والوں ہی پر صادق آتا ہے: 'مایا تیرے تین نام۔ پرسا، پرسو، پرس رام'۔

مائع کو سیال بھی کہتے ہیں۔ جیسے 'آتشِ سیال' اور 'ہیر سیال' وغیرہ۔

گیس

گیس کا مطلب بھی ہمارے عزیز طالب علموں سے مخفی نہ ہوگا، جسے دیکھو اسکی شکایت لئے پھرتا ہے۔ یہاں ہم اس کے لئے ایک آزمودہ نسخہ درج کرتے ہیں اجوائن، کالا نمک، کلونجی اور اطرفیل ہم وزن لیجئے اور ہتھیلی پر رکھ کر پھانک لیجئے، ان شاء اللہ فائدہ ہو گا، سوڈا واٹر بھی مفید ہے۔

گرمیاں آتی ہیں تو کراچی کا محکمہ واٹر سپلائی پانی کے نلکوں میں گیس سپلائی کرنے لگتا ہے اسی لئے لوگ غسلخانوں میں روٹی پکاتے اور باورچی خانوں میں پسینے میں نہاتے دیکھے جاتے ہیں۔ (ابن انشاء کی تحریر 'اردو کی آخری کتاب' سے ماخوذ)

بدرگاہِ ذیشان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

گلشن میں پھول باغوں میں پھل آپ کیلئے
جھیلوں پہ کِھل رہے ہیں کنول آپ کیلئے
میری بھی آرزو ہے اجازت ملے تو میں
اشکوں سے اِک پروؤں غزل آپ کیلئے
مژگاں بنیں حکایتِ دِل کے لئے قلم
ہو رَوشنائی آنکھوں کا کجل آپ کیلئے
ان آنسوؤں کو چرنوں پہ گرنے کا اِذن ہو
آنکھوں میں جو رہے ہیں مچل آپ کیلئے
گو آرہی ہے میرے ہی گیتوں کی بازگشت
نغمہ سرا ہیں دشت و جبل آپؐ کیلئے

(کلام طاہر)

☆☆

وِرد مرا ہے رات دِن، صلِّ علٰی محمدٍ
صلِّ علٰی محمدٍ، صلِّ علٰی محمدٍ
جو ہے ہمارا شہر یار، اُسکے کرم ہیں بیشمار
تُو بھی نہ انگلیوں پہ گِن، صلِّ علٰی محمدٍ

(حضرت قاضی ظہورالدین اکمل صاحبؓ)

☆☆

آپ سا ہادی آپ سا محسن ناممکن بالکل ناممکن
سب سے اعلیٰ شانِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم
ناممکن ہے ناممکن ہے مجھ سے ادا ہو کیا ممکن ہے
کچھ شکرِ احسانِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

(حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوریؓ)

☆☆

ہم جی رہے تھے تیریؐ ہی رحمت کی گود میں
سایہ فگن ترےؐ ہی کرم کا سحاب تھا
خوشبوؤں میں بھی تیریؐ ہی خوشبو تھی دلنواز
پھولوں میں پھول تیرےؐ ہی رُخ کا گلاب تھا
صبحِ ازل مشیّتِ یزداں تھی دیدنی
جس صبحِ بزمِ کُن میں ترا انتخاب تھا

(مکرم چوہدری محمد علی مضطرؔ صاحب)

☆☆

ہے دِل میں جوش نعت شہِ انبیاءؐ لکھوں
جس کی ثنا محال ہے اس کی ثنا لکھوں
پھر اپنی بے بضاعتی کو دیکھتا ہوں میں
اور سوچتا ہوں کیسے لکھوں کیا لکھوں

لیکن رضائے ربِّ محمدؐ کے واسطے
سوچا ہے کچھ تو مانگ کے میں بھی دعا لکھوں
باعث بھی دِل کے درد کا ہے تُو ہی اے رسول
تجھ کو ہی دِل کے درد کی پیارے دوا لکھوں
تجھ سا کوئی ہوا نہ کبھی ہوگا اے رسولؐ
لاریب تجھؐ پہ ختم ہیں سب انبیاء لکھوں

(مکرم پیر معین الدین صاحب)

☆☆

جب بھی آیا ہے مجھے گنبدِ خضری کا خیال
چاندنی دِل کے دریچوں میں اُتر آئی ہے
کیوں نہ ہو ناز محبت پہ نبیؐ کے شاہدؔ
یہ محبت تو مرا وِرثۂ آبائی ہے

(مکرم منصور احمد شاہدؔ صاحب اناوی لکھنوی)

☆☆

ہے خالقِ حیات ہی خود منزلِ حیات
اور جادۂ حیات ہے سیرت رسولؐ کی
مشکل میں مبتلا ہے اب اُمّت رسولؐ کی
اور حلّ مشکلات ہے سیرت رسولؐ کی

(مکرم راجہ نذیر احمد ظفر صاحب)

☆☆

جس بزم میں ذِکرِ شہِ ابرار نہیں ہے
اُس بزم سے کچھ ہم کو سروکار نہیں ہے
جو کان شناسا نہیں گلبانگِ نبیؐ سے
وہ واقفِ رعنائی گفتار نہیں ہے
گزرے ہیں بہت بحرِ محبت کے شناور
ہر ایک کوئی آپ سا جیدار نہیں ہے
کیا وصف بیاں مجھ سے ہو اخلاقِ نبیؐ کا
حاشا مجھے یہ طاقتِ اظہار نہیں ہے

(مکرم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب)

☆☆

کمالِ آدمی کی انتہا ہے
وہ آئندہ میں بھی سب سے بڑا ہے
کوئی رفتار ہوگی روشنی کی
مگر وہ اس سے بھی آگے گیا ہے
یونہی حیراں نہیں ہیں آنکھ والے
کہیں اک آئینہ رکھا ہوا ہے
اندھیرے میں عجب اک روشنی ہے
کوئی خیمہ دیا سا جل رہا ہے

(مکرم عبید اللہ علیمؔ صاحب)

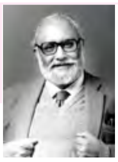

ڈاکٹر عبدالسلام کا جرم بھی یہی تھا!

ڈاکٹر عبدالسلام کا جرم بھی یہی تھا، وہ بھی ٹیلنٹڈ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی عقل، فہم اور علم سے نوازا تھا۔ وہ ساہیوال کے گاؤں سنتوک داس میں پیدا ہوائے، ٹاٹ سکول میں پڑھے، وظیفے لے کر گورنمنٹ کالج جھنگ اور گورنمنٹ کالج لاہور تک پہنچے، امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کی، حکومت نے سکالرشپ دیا اور وہ کیمبرج یونی ورسٹی پہنچ گئے، کیمبرج یونی ورسٹی سے ریاضی اور فزکس میں ایم ایس سی کی، نظری طبیعات میں پی ایچ ڈی کی، کیمبرج یونی ورسٹی نے دوران تعلیم یونی ورسٹی کا سب سے بڑا اعزاز "سمتھ پرائز" دیا اور یہ طالب علم کی حیثیت ہی میں سینٹ کالج، کیمبرج یونی ورسٹی اور پرنسٹن یونی ورسٹی کے فیلو منتخب ہو گئے۔ پوری دنیا ان کیلئے کھلی تھی لیکن وہ پاکستان کی محبت میں گرفتار تھے۔ وہ سمجھتے تھے نوزائیدہ ملک کو ان کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ 1951ء میں لاہور واپس آ گئے، گورنمنٹ کالج میں استاد بھرتی ہو گئے۔ اگلے سال پنجاب یونیورسٹی سے بھی وابستہ ہو گئے۔ وہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ گورنمنٹ کالج کی انتظامیہ سے درخواست کی۔ کالج کے پاس فنڈ موجود ہیں۔ آپ مجھے چھوٹی سی لیبارٹری بنا دیں۔ میں اور میرے طالب علم کمال کر دیں گے۔ انتظامیہ کو مطالبہ توہین محسوس ہوا۔ چنانچہ انہیں شروع میں ہاسٹل کا وارڈن بنا دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ درخواست کی تو انہیں فٹ بال ٹیم کا کوچ بنا دیا گیا۔ کالج اور یونی ورسٹی میں ان کے خیالات کا مذاق بھی اڑایا جاتا تھا۔ یہ تنگ آ گئے چنانچہ یہ 1954 میں لندن چلے گئے۔ امپیریل کالج لندن نے انہیں ریاضی کے شعبہ کا سربراہ بنا دیا۔ یہ 1957 میں فزکس کے پروفیسر بھی بنا دئے گئے۔ یہ جدید دنیا میں اعلیٰ ترین عہدہ ہوتا ہے۔ لیکن ان کا دل پاکستان میں اٹکا رہا۔ یہ ہر حکومت سے رابطہ کرتے اور اسے سائنس کی تعلیم اور سائنسی ادارے قائم کرنے پر ابھارتے۔ یہ پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کے رکن بھی رہے۔ صدر ایوب کے دور میں تعلیمی کمیشن اور سائنس کمیشن کے رکن بھی بنے۔ یہ 1961 سے 1974ء تک صدر کے سائنسی مشیر بھی رہے۔ سپارکو کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی اور یہ نیشنل سائنس کونسل اور پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے بورڈ آف گورنرز کے ممبر بھی رہے۔ یہ ملک کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ان کا ٹیلنٹ اور ان کا عقیدہ ہر بار رکاوٹ بن جاتا تھا۔ یہ بونوں کا ملک ہے اور بلند قامتی بونوں کے معاشروں میں جرم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند قامت بنایا تھا۔ وہ برین آف پاکستان تھے۔ چنانچہ ملک میں ان کی گنجائش نہیں تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے 1964ء میں حکومت پاکستان میں نظری طبیعات کا انٹرنیشنل سینٹر بنانے کی تجویز دی۔ ایوب خان ان دنوں محترمہ فاطمہ جناح کو الیکشن ہرانے جیسے تعمیری کام میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز ایوان صدر کے سٹور روم میں پھینک دی گئی۔ اٹلی کو اس تجویز کی بھنک پڑ گئی۔ اطالوی حکومت نے ڈاکٹر عبدالسلام سے رابطہ کیا اور اربوں ڈالر خرچ کر کے ٹرائسٹ شہر میں "انٹرنیشنل سینٹر فار تھیوریٹیکل فزکس" قائم کر دیا۔ یہ سینٹر آج بھی ڈاکٹر عبدالسلام کے نام منسوب ہے۔ یہ اب تک ہزاروں سائنسدان پیدا کر چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے 1974ء میں لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں "اسلامک سائنس فاؤنڈیشن" کی تجویز پیش کی۔ یہ تجویز پسند کی گئی لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر صاحب کو 1979ء میں فزکس کا نوبل انعام دیا گیا۔ یہ پاکستان کا پہلا نوبل انعام تھا۔ ہمارے لئے اعزاز کی بات تھی لیکن ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ اس اعزاز کے راستہ میں رکاوٹ بن گیا۔ ملک میں اس نوبل انعام کو اسلام کے خلاف یہودی، امریکی اور روسی سازش قرار دے دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس سلوک پر کس قدر دل گرفتہ تھے۔ آپ اس سلسلہ میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے:

فرزند اقبال ڈاکٹر صاحب سے ملنے ٹرائسٹ گئے۔ سیکرٹری نے جوں ہی ڈاکٹر صاحب کو بتایا "آپ سے کوئی صاحب پاکستان سے ملنے آئے ہیں" ڈاکٹر صاحب دیوانہ وار باہر نکلے، شاعر مشرق کے صاحبزادے کو گلے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ وہ بار بار کہتے تھے "مجھ سے پوری دنیا ملنے آتی ہے لیکن پاکستان سے کوئی نہیں آتا۔ میرا جرم کیا ہے؟ میری غلطی کیا ہے" یہ سن کر جاوید اقبال کے بھی آنسو نکل آئے۔ ڈاکٹر صاحب کو نوبل انعام ملا تو جنوبی کوریا نے اپنے سائنس دانوں اور پروفیسروں کا ایک وفد بھجوایا۔ یہ وفد ڈاکٹر صاحب سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا تھا کہ "ہم نوبل انعام کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟" جبکہ ہمارا نوبل انعام یافتہ سائنس دان اپنے ملک میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ قائد اعظم یونی ورسٹی نے 1979 میں انہیں اعزازی ڈگری سے نوازا۔ آپ المیہ دیکھئے۔ صدر جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر صاحب کو یہ ڈگری یونی ورسٹی ہال کی بجائے نیشنل اسمبلی ہال میں دی۔ کیوں؟ کیوں کہ طالب علموں کی ایک جماعت نے حکومت کو دھمکی دی تھی "یہ مرتد یونی ورسٹی آیا تو زندہ واپس نہیں جا سکے گا"

ڈاکٹر عبدالسلام کو 23 ممالک کی 32 یونی ورسٹیوں نے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگریاں دی تھیں۔ دنیا کے 22 ممالک نے انہیں اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا اور یہ 23 ممالک کی اعلیٰ ترین سائنس اکیڈمیوں کے فیلو اور رکن رہے۔ اور انہیں یہ تمام اعزازات یونی ورسٹیوں کے ہالوں میں ہزاروں طالب علموں کی گونجتی تالیوں میں دئے گئے۔ لیکن اپنے ملک میں انہیں یہ اعزاز نیشنل اسمبلی ہال میں "عوام" سے بچا کر دیا گیا۔ اور اخبارات نے عوامی خوف کی وجہ سے ان کی تصویر تک شائع نہیں کی۔ ڈاکٹر عبدالسلام پوری زندگی پاکستان کو ترستے رہے۔ یہ 1996 میں فوت ہوئے۔ ان کی نعش پاکستان آئی تو حکومت کو جنازے اور قبر کی حفاظت کیلئے خصوصی انتظامات کرنے پڑ گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو مرے ہوئے آج 18 سال ہو چکے ہیں۔ یہ آج بھی اس معاشرے سے اپنا جرم پوچھ رہے ہیں۔ میں 10 اکتوبر تک سمجھتا تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو قادیانی ہونے کی سزا ملی۔ ہم مسلمان ہیں اور ختم نبوت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ہم قادیانیوں کو پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ ان کا جرم بھی بن گیا اور یہ ان کی خوبیوں اور کمالات کو بھی نگل گیا۔ لیکن جوں ہی ملالہ یوسف زئی کیلئے نوبل انعام کا اعلان ہوا اور ملک بھر میں ملالہ کے خلاف نفرت کا سیلاب بہنے لگا تو مجھے اس وقت معلوم ہوا ڈاکٹر عبدالسلام کا جرم قادیانی ہونا نہیں ان کا اصلی جرم ٹیلنٹڈ ہونا، کامیاب ہونا اور دنیا سے اپنے آپ کو منوا لینا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی تھے۔ ہم نے اس جرم میں ان سے پاکستانیت کا حق بھی چھین لیا۔ لیکن ملالہ تو مسلمان ہے۔ ہم اس کے خلاف کیوں

ہیں؟ وجہ صاف ظاہر ہے۔ہم حاسد قوم ہیں۔ہم سے دوسروں کی عزت، شہرت اور کامیابی ہضم نہیں ہوتی۔ ہماری نظر میں ہر کامیاب شخص بے ایمان کرپٹ اور یہودی کا ایجنٹ ہے۔ آپ پاکستانی شہریوں سے پاکستان کے کسی ریکارڈ ہولڈر کے بارہ میں رائے لے لیں۔ آپ اگر ان کے منہ سے اس کے بارہ میں کوئی اچھا لفظ نکال لیں تو میں آپ کو سلوٹ پیش کروں گا۔ ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جس میں لوگ عبدالستار ایدھی کو بھی بے ایمان سمجھتے ہیں جسنے اپنی پوری زندگی انسانی فلاح پر خرچ کر دی۔ ہم نے اس ملک میں ڈاکٹر قدیر کو بھی مجرم بنا کر ٹی وی پر پیش کر دیا تھا اور ہم نے محترمہ فاطمہ جناح کو الیکشن میں ہروا دیا۔ ہماری نظر میں ڈاکٹر عبدالسلام اور ملالہ یوسف زئی دونوں یہودیوں کے ایجنٹ ہیں۔لیکن بچیوں پر کتے چھوڑنے، ونی کرنے، ان کی شادیاں قرآن مجید سے کرنے، ان کے منہ پر تیزاب پھینکنے، ان کی اجتماعی آبروریزی کرنے اور انصاف کے نام پر ان کی شادیاں اسی اسی سال کے بوڑھوں سے کرنے والے سچے مومن ہیں۔ ملالہ یوسف زئی اور ڈاکٹر عبدالسلام اہل اسلام کے خلاف مغربی سازش ہیں۔ مگر دودھ میں کیمیکل ملانے، مرچوں میں لکڑی کا برادہ مکس کرنے جعلی دوائیں بنانے، غلط آپریشن کرنے، مریضوں کے گردے چوری کرنے، بے بس لوگوں کو سڑک پر کچلنے، زہریلی شراب کے ذریعہ پچاس پچاس لوگوں کو قتل کرنے، مسجدوں درگاہوں، یتیم خانوں اور قبرستانوں کے فنڈ کھانے، رشوت لینے، ملکی خزانہ لوٹنے حاجیوں کا زادراہ چرانے، خودکش حملوں کے ذریعہ نمازیوں کو مارنے، شناختی کارڈ اور نام پڑھ کر گولی مارنے، بھتہ لینے، ٹارگٹ کلرز اور زمینوں کے قابضین عین مسلمان اور پاکستانی ہیں۔

ہم طالبان سے مذاکرات کرتے ہیں لیکن ملالہ یوسف زئی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ملالہ غدار ہے اور اسلام کے نام پر قتل کرنے والے محب وطن۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ڈاکٹر عبدالسلام عام لیکچرر بن کر زندگی گزارنا چاہتے، یا سائیکل سٹینڈ کے چوکیدار بن جاتے یا فٹ بال ٹیم کے کوچ، ہاسٹل وارڈن یا کالج کی پرچیزنگ کمیٹی کے کرپٹ سربراہ بن جاتے تو ہمیں ان کے قادیانی ہونے کے باوجود ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا اور یہ پیسے لے کر خواہ نالائق طالب علموں کو جعلی ڈگریاں دیتے رہتے یا پھر ملک کے کروڑوں اربوں روپے کھا جاتے تو ہمیں ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اگر ملالہ یوسف زئی بھی سوات کی دوسری بچیوں کی طرح گائے اور بھیڑ بکریاں چراتی رہتی اور اگر 15 سال کی عمر میں دوسری بچیوں کی طرح اس کی شادی بھی کر دی جاتی تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ مگر یہ کیونکہ ہمارے بچوں سے کئی گنا ٹیلنٹڈ نکلی اور اللہ تعالیٰ نے اسے عالمگیر عزت سے نوازا چنانچہ یہ اب یہودی ایجنٹ بھی ہے اور مغرب کی ہم جیسے عظیم لوگوں کے خلاف سازش بھی ہے۔لہٰذا یہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔

ہم بونے ہیں اور بونے ہر قدر آور شخص سے حسد کرتے ہیں اور اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہم نے کل ڈاکٹر عبدالسلام کو پاکستان میں گھسنے نہیں دیا تھا اور اب ہم نوبل انعام پانے کے بعد ملالہ کو بھی پاکستان نہیں آنے دیں گے۔ یہ بے چاری بھی اب پاکستان نہیں آسکے گی۔ یہ ملک کو ترستے ترستے مرجائے گی۔

(جاوید چودھری کا ایک چشم کشا کالم)

☆☆

تعلیم الاسلام سکول اور کالج کے سابق اساتذہ

(مکرم عنایت اللہ صاحب)

میرا بچپن تین سال سے سے بارہ سال کی عمر تک قادیان میں گزرا ہے۔ بزرگوار قاضی عبداللہ صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے 313 صحابہ میں سے تھے، میرے خالو جان تھے۔ان کی چھوٹی بیوی امت الرشید صاحبہ میری خالہ جان تھیں۔اُن کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اسلئے وہ مجھے تین سال کی عمر میں میری اماں جی سے اپنے پاس قادیان لے آئیں۔ بزرگوارم خالو جان لمبا عرصہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر رہے۔اس سے پہلے 1914ء میں وہ انگلستان میں بطور مربی بھی گئے۔خالہ جی نے مجھے قاعدہ یسّرنا القران شروع کرا دیا اور جلد ہی میں نے قرآن کریم ختم کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں خالو جان نے مجھے تعلیم الاسلام سکول میں داخل کروا دیا۔اس وقت بزرگوارم سیّد محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ نہایت ہی بارعب، باوقار شخصیت، بہت ہی کم گو اور سنجیدہ، شاذ ہی کلاس رومز کے آگے سے گزرتے۔ ہر اُستاد اپنا کام تندہی سے کرتا اور شاہ صاحب اس میں کوئی مداخلت نہ کرتے۔ پرائمری میں ماسٹر حسن محمد صاحب، ماسٹر چراغ دین صاحب اور ماسٹر محمد بخش صاحب کے نام یاد ہیں۔ مڈل میں ماسٹر عبدالرحمن صاحب حساب پڑھاتے تھے۔سوال بہت اچھی طرح سمجھاتے۔ ان کا بڑا رعب تھا، نظر سے ہی سب پر کنٹرول رکھتے۔ زراعت کے ماسٹر اللہ بخش صاحب تھے جو زراعت عملاً زرعی فارم میں سکھاتے۔ماسٹر خداداد صاحب پی ٹی کرواتے۔یہ دو بزرگ استاد تو ربوہ میں کافی عرصہ تک بہت محبت سے ملتے رہے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول 1951 میں چنیوٹ میں تھا، سو روزانہ ریل پر آتے جاتے۔ میرے کلاس ٹیچر محترم محمد ابراہیم ناصر صاحب تھے۔ بڑی ہی پیاری شخصیت۔ انگریزی اور حساب غالباً وہی پڑھاتے تھے۔ میں ان مضامین میں ٹھیک تھا، مجھ سے خوشنودی کا اظہار فرماتے تھے۔ بزرگوارم محمد ابراہیم بھامبڑی صاحب ہمارے دینیات کے استاد تھے۔ بھامبڑی صاحب کو اللہ تعالیٰ لمبی فعال عمر عطا فرمائے، جب بھی ملتے ہیں گلے لگا کر ملتے ہیں۔ سائنس ماسٹر حضرت صوفی غلام محمد صاحب تھے۔سائنس خوب سمجھاتے، پریکٹیکل کرواتے، گیسز وغیرہ بنواتے اور بھی تجربات کرواتے۔ خوب بارعب اور صحت مند شخصیت رکھتے تھے۔ تعلیم الاسلام کالج جب لاہور ہی میں تھا، بزرگوارم عطاالرحمن صاحب بھی اچھی طرح فزکس انگریزی میں پڑھاتے کہ ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔ کیمسٹری پروفیسر حبیب اللہ خان پڑھاتے تھے۔ بڑے ہی مخلص اُستاد تھے۔ سب ہی سادہ شخصیت اور سادہ لباس تھے۔ کیمسٹری کے پریکٹیکل کے انسٹرکٹر محترم سعید اللہ خان تھے، بعد میں کالج میں پروفیسر بنے ۔ انگلش کے پروفیسر بزرگوارم عبدالقادر صاحب تھے۔ خوب بانکی شخصیت کے مالک تھے۔ چست اچکن اور سفید خوبصورت پگڑی پہنتے۔ قد آور اور متاثر کن شخصیت تھے۔ انگلش ایسی فر فر پڑھاتے کہ انگریز بھی ایسی نہ پڑھاتے ہونگے۔ امریکن پروفیسروں سے تو میں پڑھا ہوں وہ تو اس سپیڈ سے نہ پڑھاتے تھے۔ بزرگوارم چوہدری محمد علی صاحب ہمارے ہوسٹل کے سپرینٹنڈنٹ تھے، بعد میں کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ بزرگوارم صوفی بشارت الرحمن صاحب انکے اسسٹنٹ تھے۔ دینیات کے پروفیسر مولانا ارجمند خان صاحب تھے، بہت ہی محنت سے قرآن کا ترجمہ پڑھاتے۔ نیک تھے، بھاری بھر کم شخصیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان سب اساتذہ کو اجر عظیم اور جماعت کو علمی میدان میں نمایاں ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

(ماخوذ از روزنامہ الفضل ربوہ)

تعلیم الاسلام کالج کا مایہ ناز طالب علم

(پروفیسر محمد شریف خان)

کسے پتہ تھا کہ کلاس میں بیٹھا خوش شکل، خوش مزاج اور دھیما سا لڑکا ایک دن دنیا کا معروف ماہر امراضِ قلب بن کر افقِ طبابت پر ابھرے گا اور پھر آناً فاناً جامِ شہادت نوش کر کے زندہ جاوید ہو جائے گا۔

تعلیم الاسلام کالج کے 80-1978 کے سیشن میں مہدی علی ایف ایس سی پری میڈیکل کا طالب علم تھا۔ ربوہ شہر میں آتے جاتے ملاقات ہوتی۔ سر، السلام علیکم! مہدی علی کیا کر رہے ہو؟ سر! امتحان کی تیاری کر رہا ہوں، دعا کریں۔ مجھے ایک دو چیزیں پوچھنا ہیں۔ ٹھیک ہے کل عصر کی نماز کے بعد آ جانا۔ یہ سالوں پرانی یادیں، چہرے پر کھیلتی مخصوص شریفانہ مسکراہٹ، مہذب طور و اطوار، آج جواں مرد مہدی علی کی یاد تازہ کر رہی ہیں۔

چند سال پہلے فون کیا، ڈاکٹر مہدی علی! مجلس طلبائے قدیم تعلیم الاسلام کالج امریکہ اپنا "المنار" شروع کر رہی ہے۔ آپ اچھے شعر کہتے ہو، شاملِ اشاعت کرنے کیلئے اپنی کوئی نظم بھیجیں۔ جی سر! نظموں کا مجموعہ بھیج رہا ہوں، جو پسند آئے...

ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے مجھے کولمبس میں مکرم نورالحق خان صاحب کے فون کی تلاش تھی، ڈاکٹر مہدی کو فون کیا، دو سیکنڈ میں یہ مسئلہ حل ہو گیا! یہ تھا، ہمارا مہدی علی امریکہ کا مشہور کارڈیالوجسٹ! اندازہ کیجئے یہ ڈاکٹر اپنے پیشے کے لحاظ سے کتنا مصروف ہوگا۔ جب بھی فون کیا ہمیشہ ڈاکٹر مہدی کو لائن پر موجود پایا، جب تقدیر نے شہادت کیلئے کال کیا تو بھی مہدی علی کو موجود پایا اور بڑھ کر آبِ حیات نوش کر لیا۔

مہدی مجھے ایک اور حوالے سے بھی یاد رہے گا، جب بھی کوئی سانپ ڈیرے پر مارا جاتا، میری ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے، عزیزم مجھے لا دیتا، اس طرح عزیزم ربوہ کے قیام کے دوران میری تحقیق میں اکثر اپنا حصہ ڈالتا رہا۔

مہدی علی شہید نے ابتدائی تعلیم فضل عمر ماڈل سکول دارالصدر ربوہ سے حاصل کی۔ میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول سے اور ایف ایس سی پری میڈیکل کا امتحان تعلیم الاسلام کالج سے اور ایم بی بی ایس کا امتحان 1988 میں پنجاب میڈیکل کالج سے پاس کیا۔ کچھ عرصہ محکمہ صحت پنجاب سے منسلک رہنے کے بعد دو سال فضل عمر ہسپتال ربوہ میں خدمت بجا لاتے رہے، جہاں بلڈ بینک قائم کیا۔ 92/1991 میں اپنے کزن ڈاکٹر لئیق طاہر کے ہمراہ کینیڈا آ گئے، وہاں سے امریکہ، جہاں سے دونوں نے ایم ڈی کیا۔ مہدی نے Maimonides ہسپتال بروکلین سے ڈاکٹری کی تربیت (residency training) حاصل کی اور Cardiology میں دسترس حاصل کر کے اسی ہسپتال میں کام کیا اور پھر اوہایو یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کر دیا۔

جبکہ ڈاکٹر لئیق طاہر نے American Board of Psychiatry and Neurology میں دسترس حاصل کی اور اب بطور ڈائریکٹر ہیلتھ ایجوکیشن، ہیلیفیکس، کینیڈا میں پیشہ وارانہ خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر مہدی علی کی تحقیقی صلاحیتوں کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے امریکن کالج آف کارڈیالوجی نے آپ کو "محقق امراضِ قلب" کا ایوارڈ برائے 2004-2003 عطا کیا۔ اسکے علاوہ آپ مسلسل 2005 سے 2012 تک امریکہ کے قابل ترین ماہر امراضِ دل شمار ہوئے۔ عزیز ڈاکٹر مہدی علی شہید نے اپنی پروفائل میں اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کو یوں بیان کیا ہے:

"میں مریض کی نگہداشت میں ہر ممکن بہترین صلاحیتوں کے اظہار پر یقین رکھتا ہوں، میں اپنی بہترین پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر، جس ادارے سے منسلک ہوں اسکی ترقی اور نیک نامی میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ میری اولین ترجیح اپنی بہترین صلاحیتوں اور ایمانداری اور راست بازی کو بروئے کار لا کر خدمت خلق کرنا ہے۔"

ڈاکٹر مہدی علی معروف سرجن ہونے کے علاوہ کہنہ مشق شاعر اور بہت اچھے کیلیگرافر بھی تھے۔ اوہایو کولمبس کی مسجد میں قرآنی آیات کی دیدہ زیب کیلیگرافی رہتی دنیا تک موصوف کی یاد دلاتی رہے گی۔

عزیزم ڈاکٹر مہدی 3 ستمبر 1963 کو مکرم چوہدری فرزند علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے، ماشاء اللہ تیرہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بچپن ہی سے ذہین اور صاف ستھرا مزاج پایا تھا۔ شہید کے نانا ماسٹر ضیاء الدین ارشد صاحب ربوہ کے پہلے شہید تھے، جبکہ آپ کے ماموں راجہ نعیم احمد صاحب (نعیم جنرل سٹور، رحمت بازار، ربوہ) اور بھائی اشرف علی چوہدری صاحب کو 1974 کے احمدی دشمن فسادات کے دوران اسیرانِ راہِ مولیٰ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ مہدی علی اور ڈاکٹر لئیق ربوہ میں مجالس اطفال و خدام کے سرگرم رکن رہے، تقاریر اور دوسری activities میں بھرپور حصہ لیتے اور انعام حاصل کرتے رہے۔

مہدی علی شہید کا خمیر ربوہ کی مبارک بستی سے پہاڑوں کے سے محکم ارادے لئے اُٹھا، سکول اور کالج کی تعلیم و تربیت نے صیقل کیا، امریکہ جیسے ملک میں، جہاں دنیا جہان کے بہترین دماغ بستے ہیں، سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا، اپنے بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل اور خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر مسلسل کئی سال اپنے پیشے پر حکمرانی کرتا رہا اور پھر ایک ہی جست میں رضوانِ الٰہی حاصل کر گیا!

یہ دونوں بھائی ہمیشہ جماعت کی خدمت کے لئے مواقع سوچتے رہتے تھے۔ ان کا منصوبہ تھا کہ کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں جماعت کی خدمت کیلئے multi specialty poly clinic قائم کریں، جس کے لئے مہدی کی کینیڈا میں medical practice license حاصل کرنے کی درخواست process میں تھی۔

مہدی علی شہید نے جس خلوص اور رقت میں ڈوب کر یہ دعا کی ہوگی، سوائے خدائے عزّوجل کے اور کوئی نہیں جانتا:

"اے ذوالمنن! اے مہرباں! اس سے پہلے کہ گناہ میری نیکیوں سے بڑھ جائیں اور ہو جائے یہ وجود میرا تیری دھرتی پہ بوجھ کی مانند، اس سے پہلے کہ ہو کے بے بس میں کسی انساں کو سجدہ کر ڈالوں، اس سے پہلے کہ تیرا فضل و عطا مجھ سے ہونے لگے گریزاں، تُو پاس اپنے مجھے بلا لینا! اس جہاں سے مجھے اٹھا لینا! اپنی بخشی ہوئی حیات اے خدا میری سانسوں سے تو چرا لینا!"

عزیز مہدی علی شہید مسیح موعود علیہ السلام کو عطا کئے گئے شہداء کی صف میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر گیا، شہداء کی یہ لڑی قیامت تک ممتد ہے۔

☆☆

ذرّوں کی کہانی - آصف کی زبانی

آئین سٹائین سے ملاقات (آصف علی پرویز)

دوست: پچھلی دفعہ ہماری گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ عبدالسلام صاحب کو مزید تحقیق کیلئے 1951ء میں پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانس سٹڈیز Princetion Institute of Advance Studies میں فیلوشپ عطا کی گئی تھی۔ تو پھر کیا آپ امریکہ گئے؟

آصف: جی ہاں! آپ بالکل گئے اور اپنے ساتھ مقالہ کی ایک نقل بھی لے گئے۔ جو آپ نے اس ادارے کے سربراہ رابرٹ اوپن ہائیمر Robert Oppen Himer کو دے دی۔ چند روز کے بعد آپ کو خیال آیا کہ میں اس مقالہ کی نقل کے ساتھ اشکال Drawings لگانا تو بھول گیا ہوں۔ چنانچہ آپ ان کے دفتر پہنچے تا کہ انہیں اشکال کی کاپی بھی دے سکیں۔

دوست: کیا اشکال کے بغیر وہ مضمون پوری طرح سمجھ نہ آتا؟

آصف: اشکال اور گراف پڑھنے والے کو اچھی طرح سے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ آپ فزکس کی کوئی بھی کتاب پڑھیں جگہ جگہ آپ کو اشکال اور گراف ملیں گے۔

دوست: معاف کیجئے! میں نے آپ کی بات کاٹی پھر کیا ہوا؟

آصف: اتفاق سے اس وقت اوپن ہائیمر کو ملنے کیلئے چند اور سائنس دان بھی آئے ہوئے تھے۔ آپ کو کچھ دیر انتظار کے بعد اوپن ہائیمر صاحب نے اندر بلایا اور کہا کہ میں نے آپ کا مقالہ پوری توجہ اور شوق سے پڑھا ہے۔ عبدالسلام صاحب بیان کرتے ہیں کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ میں خوش ہو کر شکریہ ادا کرتا لیکن نہ جانے کیوں یہ کہہ بیٹھا کہ جناب! آپ اس مضمون کو اشکال کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ یہ میری بات سن کر اوپن ہائیمر کے چہرے کا رنگ بری طرح بدل گیا لیکن پھر بھی اس نے دھیمی آواز میں کہا کہ اس کے نتائج درست ہیں اور بغیر اشکال کے بھی مجھے سمجھ آ گیا ہے۔

دوست: پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ برائے ایڈوانس سٹڈیز Princeton Institute for Advance Studies کے بارے میں کچھ بتائیں۔

آصف: یہ ادارہ پرنسٹن کے شہر میں واقع ہے۔ جو نیوجرسی امریکہ میں ہے۔ اس ادارے کا مقصد نظریاتی فزکس میں اعلیٰ تعلیم مہیا کرنا ہے۔ اسے 1930 میں ایک ٹائلٹ پیپر Toilet Paper بنانے والے شخص نے قائم کیا تھا۔

دوست: ٹائلٹ پیپر بنانے والے شخص کا اس اعلیٰ تعلیم کے ادارے سے کیا تعلق!

آصف: معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص نے اپنے کاروبار سے بہت دولت کمائی۔ اور بجائے اس کے کہ اسے بینکوں کی تجوریوں میں رکھتا۔ اس نے اس دولت سے سائنس کی ترقی کیلئے یہ ادارہ بنایا۔ آپ کو پتہ ہے اس کے پہلے ڈائریکٹر کون تھے؟

دوست: نہیں! مجھے معلوم نہیں۔

آصف: اس کے سب سے پہلے ڈائریکٹر مشہور زمانہ سائنسدان البرٹ آئن سٹائن تھے۔ اس لئے اس کا ایڈریس بھی 1. Einstein Princeton, New Jersey, USA ہے۔

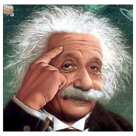

دوست: یہ تو بڑی ہی قابل قدر بات ہے کہ سڑک کا نام بھی آئن سٹائن کے نام پر ہی رکھا گیا ہے۔

آصف: زندہ قوموں کی یہ بھی ایک قابل قدر مثال ہے کہ وہ اپنے محققین اور سائنسدانوں کے ناموں کو زندہ رکھتی ہیں۔ اس کی ایک مثال ٹرینٹی کالج کیمبرج Trinity College Cambridge کا ایک برآمدہ ہے جہاں مشہور زمانہ سائنسدان نیوٹن نے بیٹھ کر کشش ثقل کے قوانین لکھے تھے۔ اس برآمدہ کو اس کی اصلی حالت میں رکھا گیا ہے تا کہ زائرین یہ دیکھ سکیں کہ یہاں بیٹھ کر اتنا عظیم سائنسی کام ہوا تھا۔

دوست: کاش پاکستان میں بھی پروفیسر عبدالسلام کے نام پر کوئی بڑا ادارہ بنایا جاتا۔

آصف: پاکستان میں تو مجھے معلوم نہیں لیکن اٹلی میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی بین الاقوامی ادارے کا نام عبدالسلام انٹرنیشنل سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس Abdus Salam International Centre For Theoretical Physics رکھا گیا ہے۔ گاہے بگاہے میں نے اپنی گفتگو میں اس کا ذکر کیا ہے۔ انشاء اللہ کسی محفل میں اس بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

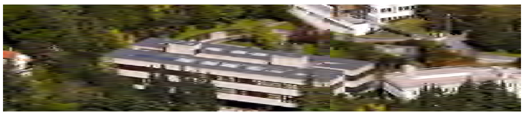

دوست: جزاک اللہ میں اس کا منتظر رہوں گا۔ یہ بتایئے کہ کیا عبدالسلام صاحب کی آئن سٹائن سے ملاقات ہوئی؟

آصف: آئن سٹائن اس زمانے میں 72 سال کی عمر کے تھے اس لئے کافی عمر رسیدہ تھے اور چند گھنٹوں کیلئے اس ادارہ میں تشریف لاتے۔ جب ان کے آنے کا وقت ہوتا تو عبدالسلام صاحب اور ان کے دوست مکان کے باہر کھڑے ہو جاتے اور انہیں سہارا دیکر ان کے دفتر تک چھوڑ آتے۔

دوست: کیا آئن سٹائن کی کبھی عبدالسلام صاحب سے بات چیت ہوئی؟

آصف: عبدالسلام صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ان کے مکان کے باہر کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے تو آئن سٹائن تشریف لائے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کیا تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ان کی تحقیق کا موضوع رینارمیلائزیشن Renormalisation ہے۔ آئن سٹائن نے کہا کہ مجھے اس موضوع میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ پھر انہوں نے آپ سے پوچھا کہ ''کیا آپ کو کشش ثقل اور برقی ومقناطیسی قوتوں کے اتحاد میں کوئی دلچسپی ہے؟'' چونکہ یہ موضوع عبدالسلام صاحب کی تحقیق کا حصہ نہیں تھا اس لئے آپ جواباً خاموش ہو رہے۔

دوست: پھر تو آئن سٹائن وہاں سے چل دیئے ہوں گے۔

آصف: نہیں بڑے لوگ بڑے ہی ہوتے ہیں! انہوں نے آدھا گھنٹہ اپنی تھیوری پر لیکچر دیا اور وضاحت سے بتایا کہ یہ مضمون کیوں بہت اہمیت کا حامل ہے؟

دوست: چلیئے اسی وجہ سے عبدالسلام صاحب کو آپ کی شاگردی کا اعزاز حاصل ہو گیا!

آصف: یہ تو آپ نے بہت عقل کی بات کی۔ کسی عظیم شخص سے ایک لیکچر سننا بھی بہت خوش قسمتی ہے۔ لیکن میں ایک ذوقی بات کہوں!

دوست: جی فرمایئے!

آصف: میرا دل کہتا ہے کہ شاید آئن سٹائن کی چھٹی حس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ نوجوان (عبد السلام) ایک دن ضرور دو قوتوں کو متحد ثابت کر دے گا۔

دوست: یہ بتائیں کہ کیا آئن سٹائن کشش ثقل اور بجلی ومقناطیسی طاقتوں کی وحدانیت کو ثابت کر سکے؟

آصف: نہیں۔ اس ملاقات کے تین سال بعد ہی آئن سٹائن کی وفات ہو گئی اور وہ مزید تحقیق نہ کر سکے۔

دوست: تو پھر کیا پروفیسر عبدالسلام نے کشش ثقل اور بجلی ومقناطیسی طاقتوں کی وحدانیت کو ثابت کیا۔ جس کی بنیاد پر آپ کو نوبل انعام عطا کیا گیا؟

آصف: اکثر لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔

دوست: لیکن میں نے سنا ہے کہ آپ نے بھی تو دو بنیادی قوتوں کی وحدانیت کو ثابت کیا ہے۔

آصف: جو آپ نے سنا وہ بھی سچ ہے لیکن آپ نے بجلی ومقناطیسی طاقت اور کمزور طاقت Weak Force کا اتحاد ثابت کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آئن سٹائن کے زمانے میں ابھی کمزور طاقت دریافت ہی نہیں ہوئی تھی!

دوست: مجھے یاد آیا کہ آپ نے ''بنیادی طاقتیں'' (جو اگست 2013 میں چھپ چکا ہے) میں اس کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ میں جا کر وہ گفتگو دوبارہ پڑھوں گا۔

آصف: جزاک اللہ۔ عبدالسلام صاحب کی Ph.D کے بارے اگلی ملاقات میں مزید گفتگو ہوگی۔ انشاءاللہ۔

تعلیم الاسلام کالج کے ربوہ کے بعض پروفیسرز کا تذکرہ

(مکرم محمود مجیب اصغر صاحب)....قسط اوّل

بچوں کی ایک کلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خواہش فرمائی تھی کہ ربوہ کے اساتذہ کا ذکر ہونا چاہیئے۔خاکسار کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں دوسال پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور خاکسار نے یہیں سے ایف ایس سی (پری انجینئرنگ) کر کے انجینئرنگ یونی ورسٹی لاہور میں داخلہ لیا جہاں سے سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی۔ اگر خاکسار کو اس کالج میں پڑھنے کا موقعہ نہ ملتا جہاں کا پاکیزہ ماحول اور اچھی روایات اور شفیق اور دعا گو محنت کرنے والے اساتذہ ملے تو عین ممکن ہے خاکسار اتنے نمبر حاصل نہ کر سکتا اور انجینئرنگ یونی ورسٹی میں داخلہ نہ ملتا۔ ایف ایس سی میں 1960۔62 کا پیریڈ تھا۔ اتنا اچھا ماحول اور خوشگوار فضا تھی کہ یوں لگتا تھا کوئی خواب دیکھا ہو۔زمین پر چلتے پھرتے فرشتے تھے جو وقف کر کے اس تعلیمی ادارے کو چلا رہے تھے۔اور اس کے پس منظر میں حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعائیں اور آپ کے فرزند جلیل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل ٹی آئی کالج کی حسن تدبیر اور اعلیٰ قسم کی Management اور انتظامی صلاحیتیں کارفرما تھیں۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف 1961ء کے جلسہ تقسیم اسناد (Convocation) کے موقعہ پر اس وقت کے صوبائی سیکرٹری تعلیم پروفیسر سراج الدین صاحب نے صدارتی خطاب میں ان الفاظ میں کیا:

”تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں اور ممتاز شخصیتوں والد اور فرزند کی محنت، محبت اور شفقت کا ثمرہ ہے۔میری مراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور ان کے لائق و فائق فرزند مرزا ناصر احمد سے ہے۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی روح اور ایک ایسے جذبہ وشوق کے ساتھ چلا رہے ہیں جو دوسرے ممالک میں بھی شاذ ہی نظر آتا ہے۔“

(حیات ناصر صفحہ 231 جلد اوّل)

اس مضمون میں زیادہ تر ان پروفیسر صاحبان کا ذکر ہوگا جن کی شاگردی کا خاکسار کو شرف حاصل ہوا لیکن پہلے پرنسپل صاحب کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

پرنسپل ٹی آئی کالج ربوہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے (آکسن) جو خلیفۃ المسیح الثالث کے روحانی اعلیٰ منصب پر 8 نومبر 1965ء کو فائز ہوئے۔ آپ کی عظیم الشان شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی بارعب، شفیق، مقناطیسی شخصیت اور نورانی چہرہ آج بھی خاکسار کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ نے ہماری فرسٹ ائیر کی کلاس کو اپنے ویلکم ایڈریس میں تین نصائح فرمائیں:

1.محنت کرنا، 2.دعا کرنا، 3.حسد نہ کرنا (حسد حافظے کو خراب کر دیتا ہے)

آپ انتخاب خلافت تک کالج کے پرنسپل رہے۔کالج کے جنوب مغرب میں آپ کی کوٹھی تھی۔کالج کے پرنسپل ہونے کے علاوہ آپ پر اس وقت بے شمار جماعتی ذمہ داریاں بھی تھیں۔آپ تعلق باللہ، توکل اور انقطاع غیر اللہ کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ آپ کے چہرہ کی مسکراہٹ پریشان حال طلباء میں بھی بشاشت، عزم اور ہمت پیدا کر دیتی تھی۔ کیا بلحاظ تعلیم و تربیت اور کیا بلحاظ گیمز، Debates، علمی شخصیات کے لیکچروں اور تمام ضروری امور ڈسپلن، شاندار روایات، یونی فارم، وقت کی پابندی اور شاندار نتائج۔ ہر لحاظ سے یہ کالج چوٹی کے کالجوں میں سے تھا۔کسی قسم کی لغویات یہاں نہیں ہوتی تھیں۔سگریٹ نوشی ممنوع تھی۔سر پر ٹوپیاں اور طلباء کالج کے اوقات میں انڈر گریجوایٹ گاؤن اور اساتذہ کے گریجوایٹ گاؤن زیب تن ہوتے تھے۔اس شاندار ماحول کا تصور بھی اب محال ہے۔

ٹی آئی کالج کا یہ امتیاز پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے دم قدم سے تھا۔آپ سے ملنے کیلئے بڑی بڑی شخصیات کالج میں آتی تھیں۔ خاکسار نے پہلے مرتبہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو بھی کالج ہی میں دیکھا۔ایک خوبرو پینٹ کوٹ میں ملبوس

ٹائی لگائے ہوئے، چہرہ پر فرنچ کٹ داڑھی آپ کو ملنے پرنسپل آفس میں آئے۔طلباء آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ پرنسپل محترم کے چھوٹے بھائی ہیں۔کچھ عرصہ پہلے ہی انگلستان سے واپس آئے ہیں۔ اور ان دونوں بھائیوں میں آپس میں بہت محبت ہے۔اور ان کا نام مرزا طاہر احمد ہے۔اور سب جماعت کے بزرگ آپ کے پاس آتے تھے۔حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کو بھی آپ کے پاس آتے ہوئے کئی بار دیکھا گیا۔حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری تو باقاعدہ Theology کا مضمون پڑھانے کالج میں آتے تھے۔ ایک بار سرگودھا کالج کے پرنسپل عبدالعلی خان بھی آئے تھے۔علم کے فروغ کیلئے بڑی بڑی نامور شخصیتوں کو آپ مدعو کرتے رہتے تھے۔تعلیم کے بارہ میں آپ کا جو تصور تھا اس بارہ میں 1964ء کے کانووکیشن پر آپ کا مندرجہ ذیل اقتباس اس کی غمازی کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

”....علم ایک بحر بے کنار ہے۔اس لئے ایک انسان علم میں خواہ کسی قدر ترقی کر جائے علم ختم نہیں ہوتا۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

....کہہ دے کہ اگر سمندر کو سیاہی بنا کر اس سے خدا تعالیٰ کی معرفت کی باتیں، اس کے دئے ہوئے علوم اور قدرت کے راز ضبط تحریر میں لانا چاہو تو وہ ایک سمندر کیا اس جیسا ایک اور سمندر بھی لے آؤ تو وہ بھی ختم ہو جائے گا مگر خدا کی باتیں اور اس کے دئے ہوئے علوم ختم نہ ہوں گے۔ (الکہف:110)

اسی لئے رسول اکرم ﷺ اور حضور کی اتباع میں ہر....کی زبان سے یہ کہلوایا کہ ربِّ زدنی علما (طٰہٰ:115) اے اللہ مجھے اپنی معرفت اور علم میں بڑھاتا جا۔

پس علم کبھی نہ ختم ہونے والی چیز ہے اس لئے آپ تادم حیات علم کی جستجو میں رہیں اور اس کے حصول کیلئے ہمیشہ کوشاں رہیں..“ (حیات ناصر صفحہ 218)

(الفضل 17 نومبر 2014ء)